حقیقت یہ ہے کہ وہ کام خالصتاً ان کی محبت بھرے اصرار پر کیا۔حق المحنت انھوں نے فی الفور ادا کر دیا۔میری طرف سے ہی سستی رہی ورنہ میرے لیے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔الیاس میراں پوری صاحب بھی بعض اوقات ہمارے درمیان رابطہ بنتے۔اس کے بعد جب بھی وہ آئے تو خالی ہاتھ نہ آئے۔میرے لیے آمدنی کا کوئی نہ کوئی ''سورس'' ساتھ لے کر آتے اور میرے ''نہ نہ'' کرتے مسودہ چھوڑ جاتے۔

کچھ عرصہ قبل انھوں نے الیاس میراں پوری کے توسط سے میری CV منگوائی۔مجھے ان کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کوئی ایسا پراجیکٹ شروع کرنا چاہ رہے ہیں جس میں وہ مجھے بھی شریک کرنے کے متمنی ہیں۔میں نے ایک آدھ بار پوچھنا چاہا مگر وہ شاید سرپرائز دینا چاہتے تھے.....اور پھر سرپرائز انھوں نے دے ہی دیا مگر یہ وہ سرپرائز نہ تھا جس کا مجھے انتظار تھا۔یہ الیاس صاحب تھے جنھوں نے مجھے ان کے انتقال کی اندوہناک خبر سنائی۔بے اختیار منہ سے نکلا: ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' اخبار کے لوگوں کے لیے حادثات' اموات کی خبریں معمول کی حیثیت رکھتی ہیں،اس لیے خبریں ایک پیشہ ورانہ رویہ کے ساتھ ہی لکھی اور وصول کی جاتی ہیں۔مگر جب ساتھیوں نے خلاف معمول میری آواز اور چہرے کی کیفیت دیکھی تو پوچھنے لگے کہ کیا ہوا۔''ذوالکفل حادثے میں انتقال کر گئے'' میں نے بتایا تو سب افسوس کرنے لگے۔دفتر میں ان کے بے شمار ملنے اور جاننے والے ہیں۔سب ہی افسردہ ہو گئے۔تفصیلات نہیں مل رہی تھیں لیکن تھوڑی دیر بعد خبریں مختلف جگہوں سے آنا شروع ہو گئیں۔تھوڑی سی کوشش سے تصویر بھی دستیاب ہو گئی۔پیشہ ورانہ ضرورت تو پوری ہو گئی تھی مگر خبر نہیں بن پا رہی تھی۔ایک ساتھی نے پیشکش کی کہ وہ خبر بنا دیں گے مگر یہ گوارا نہ ہوا کہ ایک مخلص دوست کو اپنا آخری خراج تحسین میں خود ہی پیش کرنا چاہتا تھا۔سب ہی اخبارات نے خبر دی۔ذوالکفل کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔اس کا اندازہ مختلف اخبارات میں شائع ہونے والے ان کے دوستوں کے مضامین سے ہوا۔خالد مسعود خان سمیت بہت سے دیگر احباب نے بڑی محبت سے اپنے دوست کا ذکر کیا۔فون کی گھنٹی تو اب بھی دن میں کئی بار بجتی ہے مگر دھیمے سے لہجے کی وہ آواز اب سنائی نہیں دیتی:

''ذوالکفل عرض کر رہا ہوں،تھوڑی دیر کے لیے آنا ہے.....''

ذیل کا یہ شعر ذوالکفل پر پوری طرح صادق آتا ہے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

''تمھاری یادیں بسی ہیں دل میں''

شعیب ودود*

۱۵رنومبر سے پہلے میں ہمیشہ ماہِ نومبر کی آمد کا منتظر رہتا تھا مگر اب نومبر ۲۰۰۹ء سے میرے دل و دماغ کی کیفیت نومبر کے لیے یکسر بدل کر رہ گئی ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا تاریخ کو ہی بعد نمازِ مغرب سید ذوالکفل بخاری کی وفات کی خبر سنی تھی۔ اس دن سے لے کر آج تک ذوالکفل بخاری کا نام سن کر مجھے اپنے دل پر قابو ہی نہیں رہتا۔

ذوالکفل میرا ہم عمر بھی تھا اور دوست بھی۔ کاروبارِ زندگانی میں وہ میرا ہم پہلو تو تھا ہی لیکن وہ ان سب باتوں سے کہیں زیادہ میرا استاد بھی تھا یعنی عملی زندگی کا استاد۔ میں اس سے عاجزی کرنا سیکھا کرتا تھا۔ غریبوں کی حمایت بھی میں نے اسی سے سیکھی تھی۔ میں اس کی باتوں سے چوری چھپے یہ نوٹ کرتا رہتا تھا کہ یاس وحرمان اور دکھ درد کے معنی کیا ہوتے ہیں۔ زیردستوں کے مصائب بھی میں نے اسی سے سیکھے تھے۔ سرد آہوں کے رخِ زرد کے معنی وہ ہی مجھے سمجھا گیا۔ ہسپتال کے مریضوں سے مل کر وہ مجھے عملی طور پر سبق دیتا تھا کہ ایسے دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا۔ یہ نہیں کہ وہ مجھے ان الجھی ہوئی گتھیوں کی آسان اردو بتاتا تھا بلکہ وہ اپنی موٹر سائیکل پر میرے ہمراہ جب نکلتا تھا تو میں پہلے ہی بھانپ لیتا تھا کہ ''شاہ جی'' پھر کسی نیک کام کو عملی جامہ پہنانے تپتی دھوپ میں نکل کھڑا ہوا ہے۔ وہ عمل سے اپنی زندگی اور آخرت سنوارنے کا راز چھوٹی عمر میں ہی سمجھ گیا تھا۔ ''یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے'' کی وہ زندہ عملی تصویر بن چکا تھا۔

مگر مجھے اس بات کا علم ہرگز نہ تھا اور یہ علم کسی انسان کو ہو بھی نہیں سکتا کہ ''شاہ جی'' اس کام میں بھی مجھ سے آگے نکل جائے گا، اور مجھے گرد، گدا، گر ما گورستان میں چھوڑ کر خود جنت المعلیٰ کی اس خاک تلے گوشۂ عافیت میں آرام فرمائے گا کہ جس خاک تلے ایک طرف تو اپنی روحانی ماں جی کے قدموں میں آسودۂ خاک ہو جائے گا اور دوسری طرف جنت الفردوس کا در ہوگا تو میں اسے ایک دوست کی حیثیت تک ہی محدود رکھتا۔ نہ تو وہ میرا چارہ ساز ہوتا اور نہ ہی غمگسار ہوتا۔ اور نہ ہی وہ طیبہ کی ہواؤں میں اور مکے کی فضاؤں میں میرا ہم سفر ہوتا۔ مگر موت کے زہراب میں زندگی پانے والے صرف اور صرف اپنے وحدہ لاشریک اللہ کے سامنے لبیک کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ حکم ربی ملنے پر وہ یہ دیکھنے سے قاصر ہوتے ہیں کہ بوڑھے ماں باپ کا کیا ہوگا۔ بچوں کو یتیم کر جائیں گے۔ سب بہن بھائی ماتم کناں ہو جائیں گے۔ خاندان کے سب

* ذوالکفل بخاری شہید رحمہ اللہ کے بچپن کے دوست (ملتان)

بوڑھے بزرگ اپنے بڑھاپے کے لرزاں لرزاں ہوش وحواس پر غم کا ایک بھاری پتھر رکھ کر بقیہ زندگی گزاریں گے۔ سب یار دوست پھر اکٹھے نہیں ہو پائیں گے کہ انھیں اکٹھا کرنے والا مہمان نواز نہیں رہا۔ انھیں ملانے والا پل ٹوٹ گیا ہے۔ انھیں بلانے ولا منادی اب خاموش ہوگیا ہے۔ ان سب کا مشترکہ میزبان اس دارِفانی سے کوچ کر گیا ہے اور ''اب اس شہر میں جی کا لگانا کیا''

رات بھر رہتا ہے زخموں سے چراغاں دل میں
رفتگاں تم نے لگا رکھا ہے میلہ اچھا

ذوالکفل بخاری کی ناگہانی وفات کے بعد یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ اس کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا۔ استاد، ڈاکٹر، وکلا، شاعر، ادیب اور سب سے بڑھ کر غریب لوگ اس کے گہرے دوست تھے۔ نہ صرف لاہور، کراچی اور اسلام آباد بلکہ عرب اور انڈیا کی کئی علمی اور ادبی شخصیات کے ساتھ وہ رابطے میں تھا۔ ان سب احباب کے دل پر ذوالکفل کی رحلت سے جو چوٹ لگی ہے اس چوٹ کا زخم ہر پندرہ نومبر کو پھر سے تازہ ہوا کرے گا اور درد کی کسک بڑھتی رہا کرے گا۔

اِک آگ غمِ تنہائی کی جو سارے بدن میں پھیل گئی
جب جسم ہی سارا جلتا ہو پھر دامنِ دل کو بچائیں کیا

ذوالکفل کی وفات پر میں نے اس کے ضعیف والد محترم اور خاندان کے بزرگوں کو حکمِ ربی کے سامنے صبرِ جمیل کی عملی تفسیر بنے دیکھا تو تقویٰ کی ایک اور صورت بھی سامنے آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اگرچہ دل وجان پر بھاری گزریں مگر اس ذاتِ اقدس کے ناموں کی پاک تسبیحات کا ورد پھر بھی زبان پر جاری رہے۔ ذوالکفل کی تدفین جنت المعلیٰ میں ہی ہوگئی اور یوں دوستوں کے صبر کا پیمانہ اس کے تابوت کو نہ دیکھ کر اگرچہ لبریز تو نہ ہوسکا مگر آج ایک سال گزرنے کے باوجود بھی بتانِ وہم وگماں میں ایسے کھو جاتا ہوں کہ کبھی اس سے مشورے کرنے کا سوچنے لگتا ہوں تو کبھی اپنے موبائل نمبرز میں آج بھی موجود اس کے نمبر کو ملانے لگتا ہوں۔ اپنے ای میل باکس میں اس کے دونوں ایڈریس پا کر اس کی بھیجی ہوئی میلز پڑھنے لگتا ہوں تو کبھی یہ سوچنے لگتا ہوں کہ خدا کرے یہ سب جھوٹ ہو اور وہ پردیس سے لوٹ کر آ جائے

شام اُڈیکاں فجر اُڈیکاں
آکھیں تے ساری عمر اُڈیکاں
آنڈ گوانڈ دِیوے بَلدے
ربّا ساڈا چانن گھَلدے

تری یاد پوے تے رواں
ترا ذکر کراں تے ہسّاں
کدرے نہ پینڈیاں دسّاں
وے پردیسیا ..... تیریاں

۴۰ سالہ زندگی میں کم وبیش تیس سال کتابوں، لائبریریوں اور علمی وادبی دوستوں میں بِتا دینے والا ذوالکفل اب ٹی وی چینلز کے علاوہ روزنامہ ''خبریں'' میں کالم نگاری کا آغاز کر چکا تھا۔ وہ اپنی تحریر وتقریر کو بہت جلد منوانے کی خداداد صلاحیتیں رکھتا تھا کہ ایک کارحادثے میں حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اسے پیغامِ اجل آن سنایا۔ ذوالکفل کی ادبی، سیاسی اور دینی گفتگو سننے کے لائق ہوتی تھی۔ گھنٹوں کے گھنٹوں وہ بڑی بڑی ادبی وعلمی شخصیات کے ساتھ محوِ گفتگو رہتا تھا مگر افسوس.....صدافسوس

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

ذوالکفل کی وفات کے بعد ہم چاروں بھائی بقرعید ۲۰۰۹ء پر اکٹھے ہوئے تو ایک دوسرے سے ہم ایسے تعزیت کررہے تھے کہ جیسے وہ ہمارا پانچواں بھائی تھا۔ بہت سے لوگوں نے افسوس کرنے کے لیے مجھے فون کیا تو منہ پر چپ سی لگ گئی۔ اب بھی جب میں ذوالکفل کے دوستوں سے ملتا ہوں تو اس جواں مرگ کی صالح عادات واطوار، اس کی نیک خصلت، اس کی ملنسار طبیعت، اس کے سنائے گئے لطیفے یعنی حکایتیں، شکایتیں سب کی سب زیر بحث آتی ہیں۔ وہ برادرِ بزرگ ڈاکٹر عبدالقدوس صہیب سے یونیورسٹی کے معاملات میں رہنمائی لیتا رہتا تھا کیونکہ اس کا ارادہ تو یہی تھا کہ سعودی عرب کی یونیورسٹی ام القریٰ مکہ مکرمہ سے پی ایچ ڈی انگریزی ادب کرنے کے بعد پاکستان کی کسی جامعہ میں پروفیسر ہو جاؤں گا مگر وہ سلسلہ روز وشب سے آزاد ہو کر عدم آباد کا مکین جا بنا مگر تحریروں کی صورت میں اپنی شخصیت کے کئی پرتو اور چھپے ہوئے جوہر اس دنیا میں ہی چھوڑ گیا۔

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

مگر حیرت کے اس جہاں کے عارضی مکینوں کو کیسے سمجھائیں کہ مال اسباب سمیٹنے کے لیے جو مار دھاڑ کر رہے ہیں وہ مال اسباب مستقل زندگی کے لیے وبال جان بن جائے گا۔ ذوالکفل بخاری کا مرغوب موضوعِ سخن ''رزقِ حلال'' تھا